باب 9

آئینی ارتقائی نوعیت کے فیصلے

الحاق پاکستان اور الیکشن

اس نوعیت کا پہلا مقدمہ میرے پاس 1991 کی اسمبلی کے الیکشن میں ایک امیدوار کے کاغذاتِ نامزدگی کی مستردی کا تھا۔ اس کے کاغذات اس بنا پر مسترد کیے گئے تھے کہ اس نے نامزدگی کے فارم کی وہ شق جس میں نظریہ الحاق پاکستان پر حلف لینا تھا، کاٹ کر لکھا تھا کہ وہ ''ریاست کی خودمختاری پر یقین رکھتا ہے۔'' میں نے اس استرداد کو بحال رکھتے ہوئے لکھا کہ ''الیکشن قواعد وضوابط کے تابع ہے۔ جو ان قواعد کو نہیں مانتا، وہ دیگر ذرائع سے ان کو بدلوا سکتا ہے یا پہلے خود اس کو مان کر منتخب ہو اور پھر اس کو بدل سکتا ہے۔ الیکشن کوئی شخص اپنے مقرر کردہ قواعد پر نہیں بلکہ اسمبلی کے مقرر کردہ قواعد پر ہی لڑ سکتا ہے جس کی تبدیلی اپنے منشور کا حصہ بنا سکتا ہے۔'' چوں کہ اس شخص نے قانون کی متعلقہ شق کو آئین سے متصادم ہونے کی بنا پر چیلنج نہیں کیا تھا، اس لیے میں اس کے آئینی اور غیر آئینی ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، وگرنہ اس سلسلے میں سلامتی کونسل کی قراردادوں اور آزاد کشمیر کے آئین کی متعلقہ دفعات کے تقابلی جائزہ سے اس کے آئینی پہلوؤں پر فیصلہ دینے کی یقیناً ضرورت تھی۔ یہ شق سلامتی کونسل کی قراردادوں سے متصادم تھی جس کی بنیاد پر آزاد کشمیر کا آئین بنایا گیا ہے۔ کیوں کہ

135

[141] سلامتی کونسل کی قراردادیں باشندوں کو پاکستان اور ہندوستان میں سے کسی کے ساتھ بھی الحاق کا اختیار دیتی ہیں جبکہ اس شق نے یہ حق پاکستان کی حد تک محدود کر دیا ہے۔ یہ فیصلہ آفتاب حسین بنام آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے عنوان سے (PLJ 1991 AJK 60) میں رپورٹ ہوا ہے۔

آزاد کشمیر کی حیثیت۔۔۔صوبہ؟

آزاد کشمیر کے پاکستان میں آئینی مقام کے حوالے سے کوئی واضح عدالتی فیصلہ نہیں تھا اور ایسا کرنے کی جانب کسی نے توجہ بھی نہیں دی تھی۔ میرے ذہن میں کافی عرصہ سے یہ خلش تھی کہ اس آئینی ابہام کو دور کیا جائے لیکن ایسا کوئی کیس میرے روبرو نہیں آ سکا۔ آئینی عدالت کے جج نے مقدمہ نہیں نمٹانا ہوتا بلکہ آئینی اور قانونی معاملات میں رہنمائی کرنا ہوتی ہے جس پر جج کے نظریات یقیناً اثر انداز ہوتے ہیں۔ میرے جج بننے سے پہلے آزاد کشمیر ہائی کورٹ میں امین سپننگ مل نامی ایک کمپنی نے ایک رٹ دائر کر کے کراچی بندرگاہ پر برآمد کردہ مال پر لگائی گئی ڈیوٹی کو اس بنا پر چیلنج کیا تھا کہ چوں کہ یہ مال آزاد کشمیر امپورٹ کیا جا رہا ہے جو فارن ملک ہے اور کراچی سے آزاد کشمیر ٹرانزٹ پر ہے، لہٰذا اس پر ڈیوٹی نہیں لگ سکتی۔ اس پر ہائی کورٹ نے stay جاری کر کے مال کو واگزار کرا لیا تھا۔ یہ مقدمہ تقریباً آٹھ سال کے بعد میرے روبرو پیش کیا گیا۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد میں نے رٹ پٹیشن خارج کر دی اور قرار دیا کہ آزاد کشمیر اور پاکستان ایک دوسرے کے لیے foreign ملک کی تعریف میں نہیں آتے بلکہ دو نظاموں کے تحت ایک ہی ملک ہے۔ آزاد کشمیر، پاکستان کا آئینی صوبہ ہوئے بغیر ہی پاکستان کے اندر ایک صوبائی مقام رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت پاکستان کے دو نوٹیفکیشنز کو بنیاد بنا کر میں نے قرار دیا کہ پاکستان نے آزاد کشمیر کو باقی صوبوں کے مساوی مان کر اس کی تعمیر وترقی اور دیگر امور میں ایک صوبائی درجہ دیا ہے، اس لیے حقوق کے ساتھ ساتھ ہماری ذمہ داریاں بھی صوبائی سطح کی ہیں۔ لہٰذا آزاد کشمیر کے لیے آنے والے مال پر اسی طرح ڈیوٹی لگ سکتی ہے، جس طرح پاکستان کے کسی دیگر صوبے میں استعمال ہونے والے مال کے لیے۔ یہ فیصلہ پاکستان

اور آزاد کشمیر کے درمیان آئینی تعلقات کے حوالے سے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ فیصلہ امین سپننگ ملز میرپور بنام نیشنل بینک آف پاکستان کے عنوان سے (PLJ 1999 AJK 1) میں رپورٹ ہوا ہے۔

آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ

اسی اصول کو آگے بڑھاتے ہوئے دوسرا فیصلہ میں نے بطور چیف جسٹس سال 2001 میں کیا۔ اس کیس میں سٹیٹ بینک آف پاکستان کے ایک سرکلر کو چیلنج کیا گیا تھا جس کے تحت بینک کی ایسی شاخوں کو بند کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، جو منافع بخش نہ ہوں یا اتھارٹی کسی وجہ سے ان کو بند کرنا قومی مفاد میں سمجھتی ہو۔ درخواست گزاروں کا موقف تھا کہ آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے، اس لیے سٹیٹ بینک آف پاکستان کی جاری کردہ کسی بھی پالیسی کا آزاد کشمیر پر اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے تحت بند کی گئی برانچز بدوں اختیار بند کی گئی ہیں۔ میں نے رٹ پٹیشنز کو خارج کرتے ہوئے قرار دیا کہ ''گو کہ آزاد کشمیر پاکستان کے آئین کی دفعہ 1 کے تحت براہ راست صوبے کی تعریف میں نہیں آتا لیکن اسی دفعہ کی کلاز (2 کی سب کلاز (d) کے تحت ایسی territory کی تعریف میں آتا ہے جو بصورت دیگر پاکستان میں شامل ہے۔ (otherwise included in Pakistan)۔ اس لیے یہ پاکستان کا حصہ ہے۔'' اس فیصلہ کے ذریعہ (PLJ 1999 AJK 1) کے اصول کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ یہ فیصلہ (PLD 2006 AJK 1) میں رپورٹ ہوا ہے۔ اس طرح پاکستان کی جوڈیشل تاریخ میں پہلی بار یہ اصول وضع کیا گیا کہ آزاد کشمیر پاکستان کے آئین کے تحت پاکستان کا حصہ ہے، محض سیاسی نعرہ بازی کی وجہ سے نہیں ہے۔

مسلمہ آئینی اصولوں کے تحت کسی علاقے کو کسی ملک کا حصہ قرار دینا یا اس سے خارج کرنا ملک کے آئینی اقتدارِ اعلیٰ کا اختیار ہے، عدالتوں کا نہیں۔ لیکن گنجلک آئینی صورت حال میں جہاں سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اقتدارِ اعلیٰ خاموش رہتا ہے، وہاں اس کی تشریح کرنا آئینی عدالتوں کی ذمہ داری ہے

جو میں ادا کرتا رہا۔ ہندوستان کی سپریم کورٹ نے ایسا ہی فیصلہ بیروباری کے بارے میں دیا تھا۔

آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ یا کالونی

پولیٹیکل سائنس کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ بات میرے ذہن میں اکثر کھٹکتی رہتی تھی اور میں آزاد کشمیر کے حوالے سے اپنے آپ کو بہت ہی ہلکا محسوس کرتا تھا کہ بحیثیت ریاستی باشندہ میرا آزاد کشمیر کے حوالے سے دنیا یا پاکستان میں کوئی مقام نہیں۔ اگر آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے تو کیا کالونی ہے یا اس کی فوجوں کا مقبوضہ علاقہ ہے جو فی زمانہ غلامی کی تعریف میں آتا ہے؟ نیز یہ خدشات بھی میرے ذہن میں تھے کہ اگر خدانخواستہ اس کے کسی حصہ پر کوئی بیرونی طاقت زبردستی قبضہ کرتی ہے تو پاکستان سوائے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے اپنے ملکی قانون کے تحت اس کو کس طرح جارحیت قرار دے سکتا ہے؟ اور کیا Territorial کلیم پیش کر سکتا ہے؟ جبکہ ہندوستان کا واضح موقف ہے کہ پوری ریاست ہندوستان کا حصہ ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر میں نے ایک واضح لائن اختیار کی ہے، جو ہماری وزارتِ خارجہ اور دفاع کے لیے موثر ترین دلیل ہے۔

ان فیصلہ جات کی وجہ سے چند ایک علیحدگی پسندوں کی جانب سے مجھ پر بہت شدید تنقید ہوئی۔ میرے اپنے ساتھیوں نے بھی اس کو کسی سازش کا حصہ قرار دیا لیکن جو کچھ نہ کر سکتے ہوں، وہ کچھ کرنے والوں کے خلاف ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ گھڑ لیتے ہیں۔ میری یہ نپی تلی رائے ہے کہ اگر کوئی علاقہ خود مختار یا خود مختار ملک کا حصہ نہیں ہے تو پھر اس کی کالونی ہے یا مقبوضہ جس کے اندر وہ موجود ہے۔ میں یہ صورتِ حال ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ کیوں کہ آزاد کشمیر کے لوگ پاکستان اور پاکستانی فوجوں کو قابض نہیں بلکہ اپنا سمجھتے ہیں جبکہ ہندوستانی کشمیر کو ہندوستان نے اپنا صوبہ بنایا ہے لیکن لوگ اس کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے ہندوستان وہاں ناجائز قابض ہے۔ پاکستان کو آئینی اقدامات کے ذریعہ اس خلا کو پُر کرنا چاہیے۔ وگرنہ نصابی طور پر آزاد کشمیر کو بین الاقوامی قانون کے تحت کالونی ہی سمجھا جائے گا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ پاکستان یہ گناہ بےلذت کیوں کر رہا ہے جبکہ آزاد کشمیر کے لوگ بلاشک وشبہ پاکستانی ذہن کے ہیں اور پاکستان یہاں وہ سب کچھ کر رہا ہے (بلکہ اس سے بھی زیادہ) جو باقی صوبوں میں

ہو رہا ہے۔ دنیا بھی ملامت کرتی ہے۔ اس کے باوجود صورتِ حال بدلنے کو تیار نہیں جبکہ نوجوان نسل بدگمان اور خودمختار کشمیر کی حامی ہوتی جا رہی ہے۔ اگر پاکستان، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو اندرونی خودمختاری کے ماڈل کے طور پر پیش کرے گا تو مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کے لیے یہ بہترین آپشن ہوگی، وگرنہ آزادی کا جو ماڈل وہ پیش کریں گے، وہ آزاد کشمیر کے لوگوں کی بھی ترجیح اوّل ہوگی کیوں کہ موجودہ صورتِ حال کو کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

پش بیک اور ریاستی باشندوں کا استحقاق

مقبوضہ کشمیر سے اکثر سرحدی علاقے کے لوگ اور بسا اوقات مرکزی علاقوں کے لوگ بھی مختلف جائز اور ناگزیر وجوہات کی بنا پر آزاد کشمیر میں قانونی یا غیر قانونی طریقے سے آ جاتے ہیں۔ یہاں ان کو اکثر و بیشتر جاسوس قرار دے کر عقوبت خانوں میں ڈال دیا جاتا اور بالآخر واپس مقبوضہ کشمیر بھیج دیا جاتا جس کو آزاد کشمیر میں عرفِ عام میں ’’push back‘‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایسا سلوک زیادہ تر وادی کشمیر کے لوگوں اور ان میں سے بھی زیادہ تر کشمیری بولنے والوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ مجھے کشمیر کے لوگوں کے پاکستان کے بارے میں جذبات کا ذاتی طور پر علم تھا کیوں کہ میں بھی باقی لوگوں کی طرح ویسے ہی جذبات رکھتا تھا۔ اس سلوک کی وجہ سے کشمیری بجائے آزاد کشمیر کی انتظامیہ کے خلاف شاکی ہونے کے پاکستان سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ خودمختار کشمیر کا نظریہ اسی پس منظر میں وجود میں آیا، وگرنہ مقبوضہ کشمیر کے 99 فیصد مسلمان پاکستانی نظریہ کے لوگ تھے۔ اسی طرزِ عمل اور نظریہ کو ترویج دینے اور پروان چڑھانے کی ذمہ داری الحاق پاکستان کا سب سے زیادہ چرچا کرنے والوں پر ہے جنھوں نے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایک فرضی دشمن گھڑ لیا اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کو اکثر یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ سوائے ان کے آزاد کشمیر بلکہ پورے کشمیر میں کوئی پاکستان کا حامی نہیں ہے۔ یہ ایک انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

اسی پس منظر میں، میں نے آزاد کشمیر میں پناہ لینے والے کشمیریوں اور ان کو اپنے مذموم

مقاصد کے لیے جاسوس اور وطن دشمن اور غدار قرار دے کر پاکستان مخالف بنانے کے عمل کو روکنے کے لیے آزاد کشمیر کے آئین کی مختلف دفعات کی ایسی تشریح کی کہ ان لوگوں کے حقوق آزاد کشمیر کے لوگوں کے حقوق کے مساوی قرار دیئے۔ اس طرح حکومت پاکستان کے ایسے اداروں کو جن کے احکامات سے آزاد کشمیر اور اس کے اندر بسنے والے ریاستی باشندے متاثر ہوتے ہوں، انہیں آزاد کشمیر کی عدالتوں میں جواب دہ قرار دیا۔

اس سلسلے میں پہلا تاریخی مقدمہ ایک کشمیری مہاجر فیملی کا تھا جو آزاد کشمیر میں ہندوستانی پاسپورٹ اور پاکستانی ویزے پر آئی تھی، ان کو حکومت پاکستان کی وزارتِ داخلہ نے ایک حکم کے ذریعہ آزاد کشمیر سے واپس ہندوستانی مقبوضہ کشمیر جانے کا حکم دیا اور آئی ایس آئی اور ریاستی ایجنسیوں نے ان کو گرفتار کر کے ملک بدر کرنے کے اقدامات شروع کر دیئے۔ ان لوگوں نے اس حکم کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا جن کو عبوری ریلیف دے کر بچا لیا گیا اور بالآخر ان کی رٹ درخواست منظور کرتے ہوئے قرار دیا کہ ’’آزاد کشمیر کے آئین کے تحت ریاستی باشندے کی تعریف میں آنے والے سارے لوگ ریاست کے کسی بھی حصے میں بدوں اجازت سفر کرنے، آباد ہونے اور سکونت اختیار کرنے کا بنیادی حق رکھتے ہیں اور ہندوستانی یا پاکستانی پاسپورٹ حاصل کرنے سے ان کے ریاستی باشندے کے قانونی استحقاق ختم نہیں ہو جاتے جو محض بین الاقوامی آمدورفت کے لیے ایک قانونی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔‘‘ وزارتِ داخلہ کا حکم کالعدم قرار دے کر متعلقہ ایجنسیوں کو حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کو آزاد کشمیر بدر کرنے سے باز رہیں، تاہم اگر ان کے خلاف وطن دشمنی کا کوئی ثبوت ہے تو قانون کے تحت اسی طرح کارروائی کی جائے جو عام حالات میں اپنے پاکستانی شہریوں یا آزاد کشمیر میں بسنے والے لوگوں کے خلاف ہو سکتی ہے اور اگر یہ مجرم ثابت پائیں تو ان کو سزائے قانونی دلانے کے اقدامات کیے جائیں۔ یہ فیصلہ غلام حسین وغیرہ بنام حکومت پاکستان بذریعہ ڈی جی آئی ایس آئی کے عنوان کے تحت (PLD 1993 AJK 153) کے شمارے میں رپورٹ ہوا ہے۔

اسی اصول کی بنیاد پر ایک اور کیس علی اصغر عباسی بنام آزاد جموں و کشمیر کونسل کے عنوان کے

تحت (PLD 2001 AJK 33) میں رپورٹ ہوا ہے جس میں قرار دیا کہ ''ریاستی باشندہ ہونے کا استحقاق ایک پشتینی حق ہے جو اس طرح نسل در نسل منتقل ہوتا ہے جس طرح کہ وراثت کے حقوق ہیں، تاوقت یہ کہ ان کو ختم نہ کیا جائے۔ کسی بھی ریاستی باشندے کو آزاد جموں وکشمیر کونسل یا حکومت پاکستان سے آزاد کشمیر میں آباد ہونے کے لیے کسی عدم اعتراض سرٹیفکیٹ یا سکونت حاصل کرنے کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور ریاست کے مجاز ادارے قانون کے تحت اس کے حق میں ریاستی باشندہ ہونے کا سرٹیفکیٹ اور قومی شناختی کارڈ جاری کرنے کے پابند ہیں جس کی بنیاد پر وہ پاسپورٹ حاصل کر کے بین الاقوامی سفر اور دیگر حقوق حاصل کر سکے۔ ان فیصلوں کی وجہ سے 1990 کے بعد آزاد کشمیر میں آنے والے ریاستی باشندوں کی ملک بھر میں راہیں کھل گئیں اور کئی لوگ ملک کے اندر اور بیرون ملک ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کے طور پر آباد ہو گئے۔

یہ اور اس طرح کی کئی اور رٹ پٹیشنز اسی پس منظر میں کئی لوگوں نے مشترکہ اور الگ الگ دائر کی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ لوگ مقبوضہ کشمیر میں تحریک کے دوران ہندوستانی افواج کے ظلم وستم کی وجہ سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر آزاد کشمیر میں مختلف کیمپوں میں آباد ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اب آزاد کشمیر کی انتظامیہ ان لوگوں کے حق میں ریاستی باشندہ سرٹیفکیٹ جاری نہیں کر رہی جس کی وجہ سے ان کو قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ نہیں مل رہے جس سے بحیثیت ریاستی باشندہ ان کے قانونی حقوق متاثر ہو رہے ہیں۔

اس رٹ کے سماعت کے دوران اور اس فیصلے کے بعد میرے خلاف ایک منظم سازش کے تحت ایک مہم چلائی گئی کہ میں آزاد کشمیر کی سول سوسائٹی میں مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کو ضم کرنے کی سازش کر کے آزاد کشمیر کے لوگوں کے حقوق کی قیمت پر ہندوستانی لوگوں کو مسلط کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی سماعت کے دوران میرے اوپر اسٹیبلشمنٹ کے کئی لوگوں نے اثر انداز ہونے کی کوشش کی جن میں سے اکثر کا تعلق پاکستان کی انٹیلی جینس ایجنسیوں سے تھا۔ ان لوگوں کو چند سیاست دانوں اور ان کے ہم نوا بیوروکریسی کے کارندوں نے ایک طرح سے گمراہ کیا تھا۔ کشمیر منسٹری اور کونسل میں تعینات میرے ایک دوست جوائنٹ سیکریٹری ایس ایم جنید اور بریگیڈیئر نے بھی میرے ساتھ ساتھ اس معاملے پر

بات کی۔ جب میں نے ان کو آزاد کشمیر کی آئینی پوزیشن اور ان لوگوں کو یہ حقوق دینے کی افادیت سمجھائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ یہ تو عین پاکستانیت ہے اور ہماری پالیسی بھی یہی ہے۔ اس سے میں نے اخذ کیا کہ ان لوگوں کو آزاد کشمیر، ہندوستان اور مقبوضہ کشمیر کی سیاسی اور آئینی پوزیشن اور کشمیر پالیسی کا صحیح ادراک حاصل نہیں ہے۔ آزاد کشمیر کا جو سیاسی لیڈران کی سوچ پر جس طریقے سے اثر انداز ہو جائے، کشمیر کے متعلق پاکستان کی پالیسی ویسی ہی بن جاتی ہے جو کہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ میں نے یہی بات جنرل کیانی کو جب وہ آئی ایس آئی کے چیف اور جنرل مشرف کو جب وہ صدر پاکستان تھے، کہی تھی، جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھ سے مختلف امور پر بات بھی کرتے رہے۔ اس نوعیت کے چند مقدمات پاکستانی قومی جریدوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں جن میں سے چند ایک کی تفصیل یوں ہے:

(۱) غلام حسین بنام فیڈرل گورنمنٹ آف پاکستان (PLD 1993 AJK 153)

(۲) ایوب عزیز بنام آزاد جموں وکشمیر کونسل (PLD 1995 AJK 33)

(۳) علی اصغر عباسی بنام آزاد جموں وکشمیر کونسل (PLD 2001 AJK 33)

بے گھر اور کیمپوں میں بسنے والے مہاجرین کا احساسِ وطنیت

مذکورہ فیصلوں سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مقبوضہ کشمیر سے آنے والے بے گھر لوگوں اور ملک کے مختلف حصوں اور کیمپوں میں بسنے والے ہزاروں لوگوں کو آزاد کشمیر اور پاکستان میں اپنائیت کا احساس پیدا ہوا اور پاکستان کے متعلق ان کی بدگمانیاں دور ہوئیں۔ یہ لوگ میرٹ پر پورے پاکستان میں مقابلے کے امتحانوں اور سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں ملازمت کے اہل ہو گئے۔ پورے پاکستان بلکہ بیرون ملک اپنے بہتر مستقبل کے لیے پھیل گئے جس سے ان کے گھر بار خوشحال ہونے کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں ان کے رشتہ داروں، دوستوں اور واقف کاروں کو پاکستان میں ان کے مقام کی وجہ سے ایک رشک کی کیفیت پیدا ہوئی اور پاکستان کے لیے ان کے جذبات کو زیادہ تقویت ملی۔ ادھر حکومت پر ان کے کیمپوں میں رہنے کی وجہ سے جو بوجھ پڑتا تھا، اس سے بھی راحت ملی۔

اس کے بعد میں نے بحیثیت چیف الیکشن کمشنر ان لوگوں کو بطور ووٹر درج کرنے کا حکم دیا کہ جو شخص جس جگہ رہتا ہے، اس کو اسی حلقہ میں بطور ووٹر درج ہونے کا اہل قرار دیا۔ میرے خلاف لوکل ایڈمنسٹریشن اور سیاسی جماعتوں کے قائدین نے مخاصمت کی سی کیفیت پیدا کر دی جو میرے خلاف اسمبلی میں ایک متفقہ قرار داد پر منتج ہوئی کہ میرے بجائے کسی اور شخص کو مستقل چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا جائے۔ یہ سارے اقدامات میں نے قومی سلامتی اور پاکستانی مفاد میں کیے جو کہ آزاد کشمیر کے آئین کے عین مطابق تھے، جو کسی بھی وقت ہونے تھے اور اگر نہ ہوتے تو پاکستان کی سلامتی اور قومی مفادات پر بہت ہی منفی اثرات مرتب کرتے۔ پاکستانی خفیہ ادارے بھی اس پر بہت مشتعل ہو گئے تھے۔

درج بالا قومی اور بین الاقوامی اہمیت کے حامل فیصلہ جات کے علاوہ میں نے کئی اور اہم فیصلے کیے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دور رس اہمیت کے حامل اور آزاد کشمیر کی علاقائی اور قبیلائی تعصب میں ڈوبی ہوئی مشینری پر ضرب کاری تھے، سب کا احاطہ اس کتاب میں ممکن نہیں ہے لیکن چند ایک کی تلخیص ضروری سمجھتا ہوں۔

کوٹہ سسٹم سے متعلق فیصلہ

مقامی، قومی اور آئینی اہمیت اور دور رس اثرات کے حامل چند فیصلوں کا یہاں ضرور ذکر کرنا مناسب ہوگا جن میں سے ایک سعدیہ احمد ڈار بنام آزاد کشمیر نامزدگی بورڈ کے عنوان سے (PLD 2000 AJK 1) میں رپورٹ ہوا ہے، کے ذریعہ میں نے حکومت آزاد کشمیر کی اس پالیسی کو کالعدم قرار دیا جس کی بنیاد پر پاکستان کے مختلف فنی کالجوں بالخصوص میڈیکل کالجوں میں جنسی تخصیص کرتے ہوئے طالبات کے لیے کم اور طلبا کے لیے زیادہ نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ میں نے قرار دیا کہ سوائے ان کالجوں کے جو صرف طالبات کے لیے مختص ہیں، ہر کالج میں جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ میرٹ کی بنیاد پر نامزدگی کی جائے خواہ اس میں ساری طالبات ہی کیوں نہ آتی ہوں۔ اس سے طالبات میں مقابلے کا رجحان بڑھ گیا اور آزاد کشمیر میں خواتین ڈاکٹرز کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اب تقریباً 80 فیصد

141

نشستیں طالبات حاصل کر رہی ہیں جس کی وجہ سے بھی ایک عدم توازن کی کیفیت پیدا ہونے کا امکان ہے جس کا تدارک کیا جانا لازمی ہے۔ میرے ہوتے ہوئے ضلعی اور مہاجرین کوٹہ کے خلاف کوئی درخواست نہیں آئی جو صریحاً خلافِ آئین اور انصاف ہیں۔ اس طرف ہماری عدلیہ اور بار کو توجہ دینی چاہیے۔

شریعت کورٹ کے خلاف فیصلہ

1998-99 کے دوران ایک آرڈیننس میں بحیثیت سینئر جج تین رکنی عدالت میں ایک فیصلہ کے ذریعہ آزاد کشمیر میں نافذ شریعت کورٹ ایکٹ اور اس میں ہونے والی تقرریوں کو اس بنا پر کالعدم قرار دیا کہ ''اسلامی ریاست میں شریعت کورٹ کا تصور اس چیز کا غماز ہے کہ یہاں غیر شرعی قانون اور عدالتیں بھی ہیں جو اسلامی ریاست، کی نفی اور آئین کی روح کے منافی عمل ہے۔'' اس کا شدید ردِ عمل ہوا تھا، لیکن آن چہ باداباد یہ فیصلہ قانونی جریدہ PLJ 1948 AJK 140 میں رپورٹ ہوا ہے۔ فیصلہ سنانے سے پہلے شریعت کورٹ کے ججز کی اعانت سے حکومت نے سپریم کورٹ میں ایک ریفرنس دائر کر کے یہ رائے لے لی کہ شریعت کورٹ اور اس میں کی گئی تقرریاں آئین کے مطابق ہیں۔ یہ فیصلہ ہمارے روبرو پیش کیا گیا۔ یہ انتہائی آزمائش کا لمحہ تھا کیوں کہ دونوں طرف آئینی عدالتیں، ان کی اٹانومی اور آئینی اختیارات کا سوال تھا۔ میں نے باقی ساتھیوں کو کہا کہ ''آپ اپنی اپنی رائے قائم کریں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ریفرنس میں سپریم کورٹ کی رائے محض ''رائے'' ہے فیصلہ نہیں، جس کی پابند رائے لینے والی اتھارٹی بھی نہیں۔ ہائی کورٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' معمولی لے دے کے بعد سب نے اس سے اتفاق کیا جس کے بعد ہم نے شریعت کورٹ اور اس میں ججوں کی تقرریوں کو کالعدم قرار دیا۔ سپریم کورٹ میں اپیل پر ہائی کورٹ کا فیصلہ منسوخ کرتے ہوئے قرار دیا گیا کہ ''چوں کہ سپریم کورٹ پہلے ہی رائے دے چکی ہے کہ شریعت کورٹ اور اس میں تقرریاں آئینی ہیں، اس لیے اس میں کسی متبادل فیصلے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔'' بہرحال دونوں اداروں نے باوقار طریقے سے اپنے اپنے اختیارات کا استعمال کیا۔

ہائی کورٹ کا چیف جسٹس شریعت کورٹ کا چیف جسٹس بھی ہوتا ہے میں نے یہ حلف یہ کہہ کر

نہیں لیا کہ چیف جسٹس ہائی کورٹ بالحاظ عہدہ چیف جسٹس شریعت کورٹ ہے، اس لیے حلف لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنے پورے عرصہ کے دوران شریعت کورٹ کے کسی جج کو اپنے کورٹ روم میں DB یا FB میں نہیں بٹھایا کیوں کہ میں سمجھتا تھا یہ غیر آئینی کام ہے۔ سپریم کورٹ نے اس وقت اس فیصلہ کو سیاسی دباؤ میں آ کر منسوخ کر دیا لیکن حال ہی میں اس طرز پر لیکن بے سواد فیصلہ کیا ہے جس کے تحت شریعت کورٹ میں ججز کی تقرری کو چیف جسٹس کی سفارش سے مشروط اور سابقہ ججز کی پنشن مراعات کو بحال رکھا ہے۔ اس فیصلہ کے ذریعہ ججز کی تقرری چیف جسٹس صاحبان کی مشاورت سے مشروط کر کے Bargaining Agent کی حیثیت مقرر کی گئی اور سابقہ ججز کی پنشن مراعات بھی ویسی ہی بحال رکھیں گئیں۔ انتہائی بے سروپا فیصلہ ہے۔ اب راجہ فاروق حیدر کی حکومت نے اس کی سمت انہی خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے جس سے جملہ فوجداری مقدمات بشمول حدود قصاص عدالت عالیہ کو منتقل ہوتے ہیں جبکہ شریعت کورٹ کے مقاصد کی خاطر ایک عالم دین کی تقرری کر کے قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا فیصلہ شریعت کورٹ کا اختیار ہوگا۔ اس طرح یہ آئینی عدالت بھی بن جائے گی۔

سروس اپیل کی پابندی

سروس ٹریبونل ایکٹ کے تحت کسی ملازم کے خلاف حاکم مجاز کے کسی بھی فیصلہ کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی سے قبل اس کو اسی حاکم مجاز سے رجوع کرنا لازمی تھا، یہ قانون میں نے اس بنا پر کالعدم قرار دیا کہ ''ملزم کو جج نہیں بنایا جا سکتا۔'' اس وجہ سے ملازمین کو سروس ٹریبونل سے بروقت داد رسی ملنے کے راستے کھل گئے۔ لیکن اس کے غلط استعمال سے مقدمہ بازی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ فیصلہ قانونی جریدے PLJ 1996 AJK 75 میں رپورٹ ہوا ہے۔

توہین عدالت کا قانون

1993 توہین عدالت ایکٹ میں کی گئی ان تمام ترامیم کو کالعدم قرار دیا جن کے تحت توہین عدالت کا قانون ہی بے اثر ہو کر عدالتیں بے توقیر کی گئی تھیں۔

پبلک سروس کمیشن

پبلک سروس کمیشن اور حکومتی اہل کار اپنے رشتہ داروں کو بھرتی کرانے کے لیے اکثر آسامیاں دبا لیتے تھے اور اس وقت سامنے لاتے تھے جب ان کے رشتہ دار تیار ہو جاتے۔ ان کو پابند کیا گیا کہ پبلک سروس کمیشن میں ریکوزیشن بھیجتے وقت ان تمام اسامیوں کو مشتہر کیا جائے جو اس وقت خالی موجود ہوں۔ اور پبلک سروس کمیشن مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والے ہر امیدوار کا رزلٹ اتھارٹی کو بھیجے نہ کہ صرف مشتہر کردہ اسامیوں کی حد تک۔ چنانچہ اس طرح ایک ہی حکم کی رو سے تقریباً تین سو لیکچررز، ڈاکٹرز وغیرہ کی تقرری ممکن ہوگئی جو حکومت اور پبلک سروس کمیشن کی ملی بھگت سے مخفی رکھی گئی تھیں۔ اس تسلسل میں بہت سارے فیصلے ہوئے لیکن شاید یہ کسی قانونی جریدے میں رپورٹ نہیں ہوئے ہیں۔ رٹ پٹیشن نمبر 150/99 کے ذریعہ درجنوں پٹیشنز کا فیصلہ 14 جولائی 2000 کے تحت اکٹھا کیا گیا۔

اسمبلی ممبر کے لیے تعلیمی قید

پاکستان کی طرز پر آزاد کشمیر میں اسمبلی الیکشن کے امیدوار کے لیے تعلیمی قابلیت کم از کم میٹرک مقرر کی گئی تھی جس کو نان میٹرک امیدواران اسمبلی نے چیلنج کیا، میری سربراہی میں ہائی کورٹ کے فل بنچ نے قرار دیا کہ قانون سازوں کے لیے کم از کم تعلیمی معیار مقرر کیا جانا وقت کا تقاضا ہے بلکہ جدید تعلیم جس میں کمپیوٹر اور ایڈمنسٹریشن کی تعلیم کا علم رکھنا بھی ضروری ہے، کا مقررہ تعلیمی معیار بھی زیر غور لایا جائے کیوں کہ فی زمانہ اس کی علمیت کے بغیر کسی کو خواندہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ فیصلہ PLD 2001 AJK 60 میں رپورٹ ہوا ہے۔

پراسیکیوٹر کی ڈی ایف تقرری

ایک فیصلہ کے ذریعے محکمہ جنگلات کے چالیس ڈی ایف اوز کی رٹ درخواست پر حکومت کے اس نوٹیفیکیشن کو بدوں اختیار، بد دیانتی اور حکومت کے خلاف ریفرنڈم قرار دیا جس کے تحت محکمہ

جنگلات کے ایک پراسیکیوٹر کو ڈی ایف او لگایا گیا تھا۔ اس میں حکومت کی بہت سرزنش بھی کی گئی۔ اس کی تعیناتی کی وجہ یہ دی گئی تھی کہ یہ انتہائی قابل اور ناگزیر ہے۔ میں نے قرار دیا کہ ''قبرستان ناگزیر لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس شخص کو مردہ سمجھ کر آگے بڑھا جائے۔'' میں نے یہ بھی لکھا کہ چالیس DFO کا احتجاج وزیر جنگلات کے خلاف ریفرنڈم ہے۔ یہ فیصلہ 1992 یا 1993 کے کسی قانونی جریدے میں رپورٹ ہوا ہے۔

گریڈ 1 میں وزیراعظم کی مداخلت

ایک اور فیصلہ کی رُو سے کیل کے بنیادی ہیلتھ یونٹ میں وزیراعظم کے اس حکم کو بدنیتی کی بنا پر کالعدم قرار دیا جس کے تحت سکیل نمبر ایک کے چوکیدار کو برطرف کر کے اس کی جگہ ایک اپنا منظورِ نظر لگایا گیا۔ میں نے ریمارکس دیتے ہوئے لکھا کہ ''وزیراعظم کو اپنے مرتبے کا خیال رکھنا چاہیے۔'' کہاں وہ اور کہاں چوکیدار؟

چیف سیکریٹری پر یومیہ جرمانہ

چیف سیکریٹری شکیل درانی کو جو حکومت پاکستان کا آزاد کشمیر میں سب سے بڑا نمائندہ ہوتا ہے، ایک کیس میں ذاتی طور اس وقت تک روزانہ پانچ ہزار روپے جرمانہ ادا کرنے کا پابند بنایا گیا، جب تک درخواست گزار کے AK-1 بریگیڈ کے بالمقابل مارکیٹ بنانے کی درخواست کا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔

موبائل پی سی اوز

پاکستان میں جب موبائل فون کمپنیوں نے مری، ٹھنڈیانی، کہوٹہ اور دیگر مقامات پر اپنے بوسٹر لگائے، ان کے سگنل آزاد کشمیر میں میرپور، ہجیرہ، مظفرآباد کے کچھ علاقوں میں بھی آنے لگے۔ یہاں لوگوں نے ان موبائلز پر PCO لگا لیے۔ فوج کے ادارے سپیشل کمیونیکیشن آرگنائزیشن (SCO) نے ان پر ڈپٹی کمشنرز کے ذریعہ پابندی لگوا دی جس کو متاثرین نے ہائی کورٹ میں چیلنج کیا۔

میں نے ان پابندیوں کو عبوری طور پر معطل کر دیا جس کے جواب میں SCO نے نکتہ اعتراض اٹھایا کہ اس سے ملکی سلامتی وابستہ ہے اور ریونیو متاثر ہوتا ہے۔ میں نے ان پابندیوں کو کالعدم قرار دیتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ جب لاہور، قصور، سکھر، تھر اور باقی سرحد کے علاقوں میں ان کے چلنے سے ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق نہیں ہے تو آزاد کشمیر میں کیسے؟ دشمن تو دوسری طرف ایک ہی ہے۔ اور جہاں تک ریونیو کا تعلق ہے، اس پر ٹیکس پری پیڈ ہوتا ہے۔ ایس سی او ایک کمرشل ادارہ ہے جو رقابت میں ایسا کر رہا ہے۔ 2005 کے زلزلے کے بعد یہاں دنیا بھر کے نیٹ ورک کام کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی ملکی سلامتی کا کھوکھلا عذر، ڈھونگ اور بددیانتی کھل کر سامنے آ گئی۔

فوج سے زمین کا معاوضہ

اسی طرح آٹھمقام سیکٹر میں ایف ڈبلیو او کے سڑک نکالنے کے دوران ایک شخص نے ان سے اپنی زمین کا معاوضہ طلب کیا، نہ ملنے پر عدالت سے رجوع کیا، جس پر میں نے سٹے آرڈر جاری کیا۔ کارروائی کے دوران ایک کرنل پیش ہوا کہ ملکی دفاع متاثر ہو رہا ہے جو اس شخص کی زمین سے زیادہ ضروری ہے۔ میں نے یہ کہہ کر حکم جاری رکھا کہ ''جس ملک کا یہ دفاع کر رہے ہیں، اس میں یہ زمین بھی شامل ہے، اگر یہ اس سے بلا معاوضہ محروم ہوا تو اس کا پاکستان تو تباہ ہو گیا۔'' اس کے ایک ہفتہ کے اندر اس کو معاوضہ مہیا کیا گیا۔ فوج کے کمرشل ادارے فوجی وردی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، جن میں FWO، SCO، CMH شامل ہیں۔ یہی کیفیت ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی سول ورکس کرنے والے فوجی اداروں کی ہے، لیکن وہاں چوں کہ ریاستی لیول پر فوج کو بالادستی حاصل نہیں ہے، اس لیے اعلیٰ سطح پر اس کا سختی سے نوٹس لیا جاتا اور تدارک کیا جاتا ہے۔

اس طرح کے دیگر بے شمار فیصلے ہیں جن کے ذریعہ حکومت کی بے جا بالادستی اور مداخلت کو قواعد کے تابع بنا کر جواب دہ بنایا گیا۔

یہ سارے فیصلے ملک کے قانونی جریدوں میں رپورٹ ہوئے ہیں جو حکومتی اور عدالتی سطح پر نظیر کے طور پیش کیے جاتے ہیں۔